مطالعۂ قرآن حکیم

ڈاکٹر اسرار احمد

سُوْرَۃُ ھُوْدٌ

آیات ۹-۱۱

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہِ الکریم ۔ اما بعد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ○ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ○

"اور اگر ہم انسان کو اپنی کسی رحمت سے نوازتے ہیں اور پھر اُسے اُس سے سلب کر لیتے ہیں تو وہ نہایت مایوس ہو جاتا ہے اور حد درجہ ناشکرا بھی! اور اگر کسی مصیبت کے بعد جس میں وہ مبتلا ہوا ہو، اسے اپنی نعمتوں سے نوازتے ہیں تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میری ساری مصیبتیں رفع ہو گئیں اور وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا اور شیخی بگھارنے لگتا ہے۔ اِس سے مستثنیٰ اگر ہیں تو صرف وہ جو صبر کرنے والے اور نیک عمل کرنے والے ہیں۔ چنانچہ ان ہی کے لیے بخشش بھی ہے اور بڑا اجر بھی!"

اِن آیاتِ مبارکہ میں اُن ظاہر بین لوگوں کی کیفیات بیان ہوئی ہیں جو ع "نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم" کے مصداق نہ اپنے عزیز و قدیر خالق و مالک اور رؤف و رحیم پروردگار و پالن ہار پر ایمان رکھتے ہیں، نہ سفرِ حیات کی اصل منزل یعنی آخرت کا علم رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہ حقیقت اُن کی نگاہوں سے اوجھل رہ جاتی ہے کہ موجودہ زندگی یا حیاتِ دُنیوی تو اُس کے طویل سفرِ حیات کا ایک مختصر اور حقیر سا وقفہ ہے جس کی اصل غرض و غایت ہی تکلیف و ابتلاء اور آزمائش و امتحان ہے، بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ　　جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

© rasailojaraid.com

اور

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

نتیجۃً وہ اس زندگی ہی کو کل زندگی سمجھ لیتے ہیں اور ان کے نزدیک یہاں کی آسودگی و آسائش خوش بختی کی دلیلِ قاطع بن جاتی ہے اور یہاں کی محرومی یا تکلیف بدنصیبی کا اٹل ثبوت۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حیاتِ دنیوی کے دوران بدلتے ہوئے احوال اور واقعات و حوادث کی اُونچ نیچ سے اُن کے قلوب و اذہان شدّت کے ساتھ متاثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر کبھی آرام و آسائش سے بہرہ مند رہنے کے بعد کسی درجے میں محرومی کا سامنا ہوتا ہے تو ان پر مایوسی کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اُن کی کمرِ ہمت ٹوٹ کر رہ جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی وہ سابقہ نعمتوں کو بھی بالکل بھول جاتے ہیں اور ایسے ناشکرے بن جاتے ہیں جیسے انہیں کبھی کوئی نعمت ملی ہی نہ ہو! اور اس کے برعکس اگر کبھی تنگیوں یا تکلیفوں سے دوچار رہنے کے بعد راحت و مسرت سے ہمکنار ہوتے ہیں تو خوشی سے پھُولے نہیں سماتے اور اکڑنے اور اترانے لگتے ہیں۔ گویا کہ حالات کی یہ تبدیلی اُن کی محنت و مشقت کا ثمرہ اور اُن کے حُسنِ تدبیر کا نتیجہ ہے۔ ساتھ ہی وہ سابقہ تکلیف دہ حالات کا خیال بھی دل سے نکال دیتے ہیں اور بزعمِ خویش یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اُن کے سب دلدر مستقل طور پر دُور ہو گئے اور اب کسی مصیبت کے لوٹ آنے کا کوئی امکان نہیں!

قرآن حکیم میں یہ مضمون تکرار و اعادہ وارد ہوا ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا۔ (آیت: ۸۳)

(ترجمہ) "اور انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اس کو نعمتوں سے نوازتے ہیں تو (ہم سے) رُوگردانی کرتا ہے اور پہلو موڑ لیتا ہے اور جب کوئی تکلیف اُسے لاحق ہوتی ہے تو مایوس ہو کر رہ جاتا ہے"

اور سورۃ الشوریٰ میں فرمایا:

وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ۔

(ترجمہ) "اور انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اسے اپنی رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو اس پر خوشی سے پھولے نہیں سماتا۔ اور اگر کبھی اپنے ہاتھوں ہی کے کرتوتوں کے باعث کوئی مصیبت انہیں آ دبوچتی ہے تو انسان سخت ناشکرا بن جاتا ہے!"

اِن آیات کی ہم مضمون اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں واضح کیا گیا ہے کہ انسان کا یہ طرزِ عمل براہِ راست

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

نتیجہ ہے اس کے حقیقتِ نفس الامری سے ذہنی و قلبی بُعد کا جس کے باعث اُن کی نگاہیں ظاہر ہی میں اُلجھ کر رہ جاتی ہیں بفحوائے الفاظِ قرآنی: "یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" یعنی یہ لوگ آخرت سے تو بے خبر ہیں ہی، اس حیاتِ دُنیوی کے بھی صرف 'ظاہر' سے واقف ہیں، اس کی بھی اصل حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں! یہ مضمون اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے سورۃ الفجر کی حسبِ ذیل آیات میں:

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝ كَلَّا (آیات ۱۵-۱۶)

(ترجمہ) "مگر انسان کا حال یہ ہے کہ جب اُس کا رب اُسے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے، چنانچہ اسے عزت بھی دیتا ہے اور نعمتوں سے بھی نوازتا ہے، تو وہ یہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔ اور جب وہ اسے آزماتا ہے (دوسری طرح) چنانچہ اس پر رزق تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز نہیں!"

یعنی اگرچہ وہ اپنی عزت و ذلت کو اللہ ہی کی جانب منسوب کر رہا ہے، اس اعتبار سے مشرک ہرگز نہیں ہے کہ دولت مندی اور آرام و آسائش کو کسی لکشمی دیوی کی نگاہِ کرم کا ثمرہ سمجھتا ہو، اور رزق کی تنگی یا کسی اور مصیبت یا تکلیف کو کسی دوسری دیوی یا دیوتا کی ناراضگی کا نتیجہ۔ تاہم اس "ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا" سے رستگاری کے باوجود اس کی نگاہ پر ابھی ایک پردہ پڑا ہوا ہے، اور وہ یہ کہ وہ یہاں کی ظاہری اور عارضی اور صرف آزمائشی عزت کو اصل عزت سمجھ بیٹھا ہے اور یہاں کی فوری اور وقتی اور محض امتحانی سختی کو موجبِ ذلت گردانتا ہے حالانکہ یہ دُنیا صرف دار الامتحان ہے۔ یہاں اللہ کبھی دے کر آزماتا ہے کہ انسان اللہ کا شکر کرتا ہے یا غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا۔ اور کبھی کچھ چھین کر آزماتا ہے کہ انسان صبر کرتا ہے یا جزع فزع کرتا ہے اور بالکل مایوس اور ناامید ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔

آیاتِ زیرِ بحث میں دُنیوی رنج و غم اور راحت و مسرت کے مواقع پر ظاہر بین دنیا پرستوں کے احوال و کیفیات کے اظہار کے لیے نہایت فصیح و بلیغ الفاظ استعمال ہوئے ہیں یعنی پہلی صورت میں "یَئُوْس" اور "کَفُوْر" اور دوسری حالت میں "فَرِح" اور "فَخُوْر"۔ یَئُوس اور کَفُور دونوں فَعُول کے وزن پر مبالغے کے لیے آتے ہیں یعنی حد درجہ مایوس اور نہایت ناشکرا، جبکہ 'فَرِح' کا مفہوم ہے خوشی سے پھٹ پڑنا یا پھولے نہ سمانا اور 'فخور' پھر فَعُول ہی کے وزن پر اسمِ مبالغہ ہے یعنی حد درجہ شیخی خور اور اپنے آپ پر اترانے والا۔

اس کے بالکل برعکس کیفیت ہے مومنین عارفین کی، جو دُنیا کے حالات کے ردّ و بدل اور حوادث و

© rasailojaraid.com

واقعات کی اُونچ نیچ سے زیادہ متاثر نہیں ہوتے، بلکہ ہر حال میں صبر و شکر کی روش پر قائم رہتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس حیاتِ دُنیوی کے دوران خواہ راحت و مسرت کا معاملہ ہو خواہ رنج و کلفت کا، ایک تو دونوں ہی عارضی بھی ہیں اور آنی وفانی بھی اور دوسرے دونوں اس اعتبار سے یکساں ہیں کہ دونوں ہی کی اصل علت و غایت امتحان و آزمائش ہے۔ چنانچہ انہیں اگر کچھ ملتا ہے تو وہ اپنے رب کے شکریے کے ساتھ اس کو قبول کرتے ہیں اور اتراتے اور اکڑتے نہیں! اور اگر کبھی کچھ چھن جاتا ہے یا ہاتھ سے جاتا رہتا ہے تو صبر کرتے ہیں، اور نہ مایوس ہوتے ہیں نہ بے چین و مضطرب! گویا ان کی کیفیت وہ ہوتی ہے جو سورۃ الحدید کے ان الفاظ میں بیان ہوئی کہ:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ۔ (آیت ۲۳)

(ترجمہ) "تاکہ تم مایوس نہ ہو جایا کرو اس پر جو تم سے چھوٹ جائے یا چھن جائے، اور اترایا نہ کرو اس پر جو تمہیں عطا فرمائے"!

شکر اور صبر میں سے بھی چونکہ صبر کا درجہ بلند تر ہے، اس لیے کہ شکر کے ساتھ تو قرآن میں صرف یہ الفاظ آئے ہیں کہ: "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ" یعنی "اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور دوں گا"! اور صابرین کو اپنی معیتِ خصوصی کی بشارت سنائی گئی، بفحوائے الفاظِ قرآنی: "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" یعنی "اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"! لہٰذا آیات زیرِ بحث میں صرف صبر کا ذکر کیا گیا، گویا اس تکمیلی مرتبے کے ذکر کے ساتھ شکر جو اساسی بنیادی وصف ہے وہ آپ سے آپ مندرج ہو گیا۔

اپنے عام اور مستقل قاعدے کے تحت قرآن نے یہاں صبر کے ساتھ عملِ صالح کا ذکر بھی کر دیا، تاکہ واضح ہو جائے کہ اہلِ ایمان اور عارفین باللہ کا صبر کوئی سلبی یا منفی قدر نہیں ہے بلکہ ایک مثبت جذبہ ہے جس کی کوکھ سے عملِ صالح جنم لیتا ہے۔ وہ عملِ صالح جو تہذیب و تمدن کا انداز بدلتا اور تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑتا ہے، اور بقول علامہ اقبال مرحوم "وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل" کی صورت اختیار کرتا ہے۔ آخر میں فرمایا کہ یہی لوگ ہیں اپنے رب کی مغفرت کے حقدار بھی اور اجرِ کبیر کے مستحق بھی!۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c